ڈاکٹر فاخرہ اکبر
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین چونیاں

پنجاب کے ایک غزل گو۔ رسؔا جالندھری (۱۸۹۴ء-۱۹۷۷ء)

Rasa Jalandhari)1894-1977) was a great poet of GHAZAL and NAZM in the 20th century, which is known as a golden period of knowledge and literature in Punjab. Having mature poetic thoughts, his poetry is indeed according to the literary standards. Although he is not popular like other great poets but his power of expressions is totally like great poets. The objective of this research paper is to introduce the prominent characteristics of Rasa's poetry. This article represents a critical analysis only of his GHAZAL. His contributions for Urdu literature is worthy to be described.

بیسویں صدی کے نصف اول میں پنجاب کی سرزمین پر اردو زبان و بیان کی ترقی و ترویج کے اعتبار سے جن نادر تخلیق کاروں نے جنم لیا ان کے فنِ تخلیق کے باعث پنجاب میں دلی کے عہد زریں کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔اس دور کے بیشتر معروف شعرا و ادبا کے ساتھ ساتھ کچھ غیر معروف یا کم شہرت یافتہ ادبی شخصیات ایسی بھی ہیں جو اپنے مخصوص دور میں تو منظر عام پر رہنے کے باعث نظروں کے سامنے رہیں مگر رسائل و جرائد میں کم کم چھپنے کی صورت میں وقت کی رفتار نے انھیں بہت جلد نظروں سے اوجھل کر دیا۔ایسا ہی ایک نام محمد کبیر خان المعروف رسؔا جالندھری کا بھی ہے جو۱۸۹۴ء میں بستی غزاں ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے ان کے والد ماجد محمد بیدار خاں سرسید احمد خاں کے سفر پنجاب کے ہم سفر اور قریبی رفیق تھے۔رسؔا کا طبعی میلان بچپن ہی سے فن شعر کی طرف تھا لہٰذا ابتدا میں محمد سرفراز خاں سرور جالندھری (جو ان کے خالہ زاد اور بہنوئی بھی تھے) سے مشورۂ سخن رہا ۔ازاں بعد علی گڑھ کالج میں جلال لکھنوی کے تلمیذِ احسان شاہجہان پوری کے شاگرد ہوئے ان کے انتقال کے بعد لسان القوم مولانا صفیؔ لکھنوی سے فیضِ تلمذ حاصل کیا۔رسؔا جالندھری کے پاس ایک سو کے قریب صفیؔ لکھنوی کے خطوط استاد کے ساتھ ان کی محبت و عقیدت کا مظہر تھے ۔اصلاحِ کلام کا یہ سلسلہ تیس بتیس برس پر محیط ہے کیونکہ پہلی اصلاح شدہ غزل ۱۹۱۸ء کی اور آخری ۱۹۵۴ء کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسؔا آخر دم تک استاد کے مقام و مرتبے اور نقد و نظر کے قائل رہے ان کے مجموعہء کلام" فکرِ رسؔا "میں "تعارف" عنوان کے تحت شامل مضمون میں بمطابق ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں صفیؔ لکھنوی نے رسؔا

جالندھری کے کلام کو اصلاح سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے درج ذیل تعریفی کلمات سے نوازا:

''تمھاری غزلیں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی اس لیے کہ تم بہت فکر سے کہتے ہو اور مصرعہ سمجھ سمجھ کر لگاتے ہو۔ کوئی لفظ بے کار نہیں آنے پاتا۔ حسنِ تخیل کے ساتھ زبان کا پورا پورا خیال رکھتے ہو۔ سلامتِ مذاق عطیہ ءالٰہی اور وہبی ہے۔ خدا تمھیں طولِ عمر عطا کرے تمھارے اردو شعروں میں مجھے وہ مزہ ملتا ہے جو نظیریؔ کے فارسی شعروں میں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ تمھارے شعر پڑھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ بلا فکر بیت ذہن میں آئی لکھے بھیجتا ہوں

حلاوتِ سخنِ دل پذیر کیا کہنا
صفیؔ رساؔ ہے نظیریؔ نظیر کیا کہنا "[1]

رساؔ جالندھری کے نامور احباب میں زاکر حسین صدرِ جمہوریہ ہند، غلام محمد گورنر جنرل پاکستان ، رشید احمد صدیقی ، شفیع دہلوی ، حفیظؔ جالندھری ، نشترؔ جالندھری ، آذرؔ جالندھری اور اطہرؔ لکھنوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

حکیم سید اطہر لکھنوی رساؔ کے عقیدہ و مشرب کی بابت اپنے مضمون "رساؔ میری نظر میں "کے تحت لکھتے ہیں:

''کٹر قسم کے حنفی العقیدہ تھے اور اس بارے میں شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر محی الدین کے مداح تھے۔ شریعت میں کسی قسم کی بدعت اور مذہب میں غیر اقوام کے رسم و رواج کی دخل اندازی کسی صورت گوارا نہ تھی۔ ایک مرتبہ میری موجودگی میں ایک صاحب کچھ قدیم طبع شدہ اور کچھ قلمی کاغذات دکھانے کو لائے جو بطور شجرہ از سرِ نو طباعت کے لیے جانے والے تھے۔ ہر لفظ کیساتھ لفظ شیخ چھپا ہوا اور لکھا ہوا تھا۔ حضرتِ رساؔ کے نام گرامی کے ساتھ لفظ ''شیخ'' نوشتہ تھا ۔ میں نے از راہِ مزاح کہا کہ رساؔ صاحب آپ خود کو پٹھان بتاتے ہیں اور شیخ بھی بنتے ہیں۔ یہ کیا دو فصلی بات ہے۔ اس پر بے اختیار ہنسے اور فرمانے لگے لفظ ''شیخ'' اہلِ طریقت کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ میرے بزرگوں سے چلا آ رہا ہے۔ مثلاً شیخ سیدنا عبدالقادر شیخ، سیدنا نظام الدین۔ میں نے عرض کیا کہ پھر آپ کو پیرِ طریقت کیوں نہ سمجھا جائے۔ فرمانے لگے میں اس رنگ میں کبھی نہیں رہا۔ میرے نزدیک بقول شاعر:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست[۲]

رسؔا جالندھری غالبؔ کی طرح فلسفے اور جدت کے شاعر ہیں۔ ان کے ہاں رومانوی رنگ میں بھی فلسفے کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ اپنے کلام میں اکثر بڑی نادر اور اچھوتی ردائف استعمال کرتے ہوئے قوافی کے حسن کو نباہنے کا فن بخوبی جانتے ہیں۔ ان کا کلام حسنِ بیان اور لطفِ ادا سے بھرپور ہے۔ نیز بیسویں صدی کے دیگر شعرا کی طرح روایت کے ساتھ ساتھ جدت سے بھی پوری طرح ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ رسؔا کے ہاں طبیعت کی روانی، فن کی پختگی اور تخیل کی بلندی ان کی اعلیٰ شعر گوئی پر دال ہے۔ رسؔا کی غزلیں اکثر بارہ چودہ اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں اور وہ ان طویل غزلوں میں بھی بیان کی خوبی اور ادائیگی کے حسن کو قائم رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ پوری غزل اپنا تاثر قائم رکھنے میں کامیاب رہتی ہے۔ بحور و اوزان کی خوبصورتی بھی اپنا رنگ جماتی ہے۔ تراکیب اور بندشیں بھی جا بجا حسن آفرینی کا باعث بنتی چلی جاتی ہیں۔

رسؔا جو رنگِ غالبؔ کے مقلد نظر آتے ہیں اپنی طبعِ رواں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے فن کے پیکر تراشتے ہیں۔ نمونہء کلام ملاحظہ ہو:

جھپکی جو آنکھ دل ہوا محوِ جمالِ دوست
پردہ جو تھا نگاہ کا حائل نہیں رہا
جاں لے کے اس نے دی ہے مجھے عمرِ جاوداں
قاتل مری نگاہ میں قاتل نہیں رہا

(فکرِ رسؔا، ص۸۴)

غالبؔ کی جادو بیانی کا اعتراف شعر کی زبان میں کرتے ہوئے رسؔا کہتے ہیں:

ہر مصرعہ اس کا شاہدِ معنی ہے اے رسؔا
غالبؔ کو فنِ شعر پہ کتنا عبور تھا

(فکرِ رسؔا، ص۹۴)

رسؔا اپنے تخلص کے اعتبار سے لفظی اور معنوی حسن پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دل میں اے آہِ رسؔا گھٹ کے رہے گی کب تک
جا ذرا دیکھ کہ ہے عالمِ بالا کیسا؟

(فکرِ رسؔا، ص۱۵)

رسؔا بذاتِ خود اپنی خوبیِ زبان سے آشنا ہیں اور کہتے ہیں:

رسؔا کی سحر بیانی کا واہ کیا کہنا
یہ لکھنؤ میں بھی ہوتا تو اک بلا ہوتا

(فکرِ رسؔا، ص۵۶)

رسؔا کے کلام میں مفاہیم و مطالب کا اظہار و ابلاغ اپنے پورے وفور کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ روایت اور جدت باہم مربوط ہو کر اور الگ الگ بھی اپنا پتا دیتی ہیں۔ ان کے کلام میں جا بجا اس کے نمونے بکھرے پڑے ہیں مثلاً:

سچ تو یہ ہے کہ بجز رمز شناسانِ شکست
کوئی گاہک نہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے کا

منسلک ایک ہی زنجیر میں ہیں تیشہ و دار
سلسلہ ملتا ہے افسانے سے افسانے کا

اہلِ دنیا جسے کہتے ہیں رسؔا خلدِ بریں
ایک ٹکڑا ہے مرے دل کے جلو خانے کا

(فکرِ رسؔا، ۶۰)

گردشِ دہر سے بدلے ہیں مرے لیل و نہار
وہی کوچہ ہے ، وہی در ہے ، وہی سر اپنا

یہ ہے معراج جنوں کی کہ جنوں کی توہین
کچھ غبار اڑتا ہے محمل کے برابر اپنا

کیا مرے شوقِ شہادت میں کوئی خامی ہے
رہ گئے کھینچ کے تم آج جو خنجر اپنا

(فکرِ رسؔا، ص ۶۷)

کچھ تو عبرت کا سبق دہر سے حاصل ہوتا
جس جگہ آنکھ ہے اے کاش وہاں دل ہوتا
تھیں وہ آنکھیں جو انھیں دیکھ کے خاموش رہیں
جانے کیا کرتا اگر ان کی جگہ دل ہوتا
تھا وہ کیا دل جسے لے کر گئے موسٰی سرِ طور
طور خود کھنچ کے وہاں آتا جہاں دل ہوتا
پھیلتا دل جو کبھی میرا تو بنتا آفاق
اور آفاق سمٹتا تو مرا دل ہوتا
دیکھتے ہم بھی رسؔا دردِ محبت کا اثر
ان کے پہلو میں جو پتھر کی جگہ دل ہوتا

(فکرِ رسؔا، ص ۶۹)

رسؔا غالباً اپنے دور کے ناقدینِ فن کے رویوں اور ان کے طرزِ عمل سے مطمئن نہ تھے لہٰذا کہتے ہیں :

خوف آتا ہے رسؔا وقت کے نقادوں سے
شکر صد شکر کہ میں صاحبِ دیواں نہ ہوا

(فکرِ رسؔا، ص ۸۰)

بیسویں صدی کے جس مخصوص دور میں رسؔا شعر کہہ رہے تھے اس میں بہت سی ادبی تحریکیں باہم یوں گتھم گتھا تھیں کہ ان کی اس گنجلک سے دامن بچا کر نکلنا یا اس عصرِ خاص کی کسی مضبوط اور طاقتور تحریک کا آلہء کار بننے سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے فکری و فنی سفر کو جاری و ساری رکھنا بھی بذاتِ خود بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر انور سدید اپنے ایک مضمون ''ادب اور مقصدیت'' کے تحت لکھتے ہیں:

ادب دراصل روح اور مادے کے تصادم سے پیدا ہوتا ہے۔ جب مادہ روح پر غالب آ جائے تو مقصد کے مسِ خام کو فوقیت حاصل ہوتی ہے اور فن پارہ روح کو بالیدگی مہیا کرنے کی بجائے ایک مخصوص ردِعمل پیدا کرتا ہے۔ ہمارے ترقی پسند فن کاروں نے اردو ادب میں یہ فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کی مجموعی حقیقت کو پیش کرنے کی بجائے صرف ایک قاش کو زندگی سمجھ لیا اور جذباتی مایوسیوں کو ابھارا جو انسان کو مضمحل کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند ادیب کی اپیل یک طرفہ، اکہری اور نظریاتی حد بندی کی اسیر ہے..... اس کے برعکس روح جب مادے پر غالب آ جاتی ہے تو فن پارہ مقصد کی خام سطح سے بلند ہو کر روحانی مدارج طے کر لیتا ہے ایسے ادب کی اپیل یک طرفہ اور محدود نہیں ہوتی بلکہ ایسا ادب زمان و مکان کی حدود کا اسیر ہی نہیں ہوتا اور ہر نیا زمانہ اس کی ایک نئی تعبیر دریافت کر کے اس کے تخلیقی حسن میں شریک ہو جاتا ہے - میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ وغیرہ چند ایسے ہی فن کار ہیں جو اپنے زمانے سے زیادہ مستقبل کو متاثر کر رہے ہیں اور جن کی نئی معنویتوں کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔[۳]

کلام میں جدت اور ندرت کے ساتھ ساتھ شوخیِ طبع کا عنصر بھی شاعر کی عالمانہ شان کا مرہونِ منت ہوتا ہے اور بطورِ خاص طبیعت کی شوخی کا ایسی حالت میں عود کر آنا جہاں رنج اپنی حدود سے تجاوز کر جائے - اگر دیکھا جائے تو رسؔا اس میں بھی غالبؔ کے مقلد نظر آتے ہیں - چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ناک میں دم کر دیا چرخِ ستم ایجاد کا
اے دلِ ناشاد کیا کہنا تری فریاد کا
حوصلہ نکلا نہ کچھ بھی خاطرِ ناشاد کا
وائے قسمت ہاتھ ہی اوچھا پڑا جلاد کا
ہم سے دیوانوں کی کھینچے گا بھلا تصویر کون
رنگِ وحشت دیکھ کر رنگ اڑ گیا بہزاد کا

(فکرِ رسا، ص ۴۶)

اپنی وسعت سے خبردار اگر دل ہوتا

کبھی قطرہ ،کبھی دریا ،کبھی ساحل ہوتا
بجلیاں قہر کی بندوں پہ گرانے والے
کاش تیرا بھی کوئی مدِ مقابل ہوتا
نا مرادی نہ اگر بڑھ کے سہارا دیتی
بزم ِ امید سے اٹھنا مرا مشکل ہوتا

(فکرِ رسؔا،ص۶۸)

دل کی منطق نے بھی کیا کار ِ نمایاں کر دیا
سہل کو مشکل کیا مشکل کو آساں کر دیا
میں نے دل کو کفر و ایماں سے کرایا روشناس
دل نے مجھ کو بے نیاز ِ کفر و ایماں کر دیا
کس گل ِ رعنا کے آنے کی خبر سن کے رسا
برق نے میرے نشیمن میں چراغاں کر دیا

(فکرِ رسؔا،ص۷۵)

رنج میں خوش، عیش میں ناشاد ہوں
کیا کروں مجموعہء اضداد ہوں
با رہا کاٹے مصائب کے پہاڑ
میں بھی اپنے وقت کا فرہاد ہوں
ہے کوئی ایسا بتا دے جو مجھے
کون ہوں ،کیا ہوں ،کہاں آباد ہوں

(فکرِ رسؔا،ص۱۶۱)

جب تک اجزائے دو عالم ہم نوا ہوتے نہیں

دل کی دنیا میں حوادث رونما ہوتے نہیں
ہوش میں آنے کی جب تلقین کرتا ہے مجھے
ہوش خود اس وقت ناصح کے بجا ہوتے نہیں
اپنے نالوں کی رسؔا محرومیِ تاثیر دیکھ
ان کے کانوں تک پہنچ کر بھی رسؔا ہوتے نہیں

(فکرِ رسا،ص۶۳)

رسؔا نے ایک منفرد رنگِ سخن اختیار کیا اور اچھوتے خیالات کے اظہار میں اپنے معاصرین سے الگ ایک راہ نکالی ہے جو روایت کے ساتھ ساتھ جدت کی بھی عکاسی کرتی ہے ۔یکسانیت اکتاہٹ پر منتج ہونے کے باعث اکثر گراں بار ثابت ہوتی ہے لہٰذاادب میں ارتقائے فن کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایک جیسے مضامین و موضوعات کو معانی و مفاہیم کے اعتبار سے ہر شاعر و ادیب اس خوبی کے ساتھ جداگانہ اسلوب سے ہم کنار کرے کہ اس کا یہی تنوع اس کے کلام میں ایک گراں قدر دلچسپی اور تاثیر کا باعث بن جائے ۔رسؔا کے کلام میں ایسے بے شمار نمونے بکھرے پڑے ہیں جہاں روایت جدت اور ندرت کے ساتھ بڑی خوبی سے ہم آہنگ ہوکر ایک قابلِ دادصورت اختیار کر لیتی ہے۔ چند مثالیں پیشِ نظر ہیں :

گلِ خنداں رہے گا تا کجا محفوظ گلشن میں
بچے گا دستِ گلچیں سے تو پامالِ خزاں ہو گا
قفس میں کس فراغت سے کٹے گی ہم اسیروں کی
نہ فکرِ آشیاں ہو گی نہ خوفِ باغباں ہو گا

(فکرِ رسا،ص۴۰)

بقدرِ حوصلہ ہوتا ہے امتحان اپنا
جز آسماں نہیں کوئی مزاج داں اپنا
چمن کے تنکے اٹھائے گئے نہ غیرت سے
پروں کو نوچ کے باندھا ہے آشیاں اپنا

(فکرِ رسؔا،ص۸۳)

گردشِ چشم ہے یادور ہے پیمانے کا

رنگ ہی اور ہے ساقی ترے مے خانے کا
عین کعبہ میں ہوئیں سنگ پرستی تو بہ
میری نظروں میں سما ں پھر گیا بت خانے کا
مجھ سے آنکھیں نہ چرا یوں سرِ محل ساقی
بن پیے آج یہ مے خوار نہیں جانے کا

(فکرِ رسا،ص۴۱)

رہبر ِ عشق ہے آوازِ سلاسل شاید
قیس کہتا ہے مرے پا ؤں میں زنجیر بھی ہو
توسن ِ عمر خدا جانے کہاں جا نکلے
دیکھتی کیا ہے اجل بڑھ کے عناں گیر بھی ہو
دیکھ اچھی نہیں اربابِ سخن کی تحقیر
کیا تعجب اسی محفل میں کوئی میرؔ بھی ہو

(فکرِ رسؔا،ص۱۹۳)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طویل اور مترنم بحور بھی کلام کو پر لطف اور خوبصورت بنا دیتی ہیں۔ بڑے بڑے شعرا کے کلام میں اکثر ایسے بے شمار کامیاب تجربات دیکھنے کو ملتے ہیں ۔رسؔا کے کلام میں بھی طویل اور مترنم بحور پوری طرح رنگ جماتی ہیں اس ضمن میں ایک غزل کے چند اشعار بطورِ مثال پیش ہیں:

نہ پہن تو خلعت ِ آب و گل ، نہ لباسِ سرو و سمن میں آ
تو شمیم بن کے گلوں میں پھر ، تو نسیم بن کے چمن میں آ
یہ ہزاروں جلوے اِدھر اُدھر مری آنکھ دیکھے کِدھر کدھر
تجھے دل میں کرنا ہے گھر اگر تو سمٹ کے ایک کرن میں آ
یہ فسوں طرازیِ دہر ہے ،کبھی لطف ہے کبھی قہر ہے

نہ طلسمِ عیش و طرب میں پھنس ، نہ فریبِ رنج و محن میں آ

(فکرِ رسؔا ،ص۵۹)

میدانِ سخن میں معنی آفرینی اور نکتہ سرائی کے فن سے عہدہ برا ہونا محض کارِ خاص ہی نہیں کارِ محال بھی ہے اور رسؔا اس فن میں بھی طاق دکھائی دیتے ہیں ۔کہتے ہیں :

اور سامانِ جنوں کیا شبِ ہجراں ہوتا
چاک سینہ جو نہ ہوتا تو گریباں ہوتا
اے جنوں تو نہ اگر سلسلہ جنبان ہوتا
کیوں بیاباں سے کوئی دست و گریباں ہوتا
دیکھ کر دستِ تجسس میں مرا شوقِ تلاش
ذرے ذرے کو یہ حسرت کہ بیاباں ہوتا

(فکرِ رسؔا ،ص۵۰)

کیوں مبتلائے دردِ محبت رسؔا ہوا
آئینہ لے کے دیکھ ترا حال کیا ہوا
بے رونقی نہ گورِ غریبا ں کی پوچھیے
بالیں پہ اک چراغ ہے وہ بھی بجھا ہوا
اللہ رے چشمِ لطف کی ذرہ نوازیاں
جس پر پڑی نگاہ وہی کیمیا ہوا

(فکرِ رسؔا ،ص۵۳)

پروفیسر مرزا محمد منور اپنے ایک مضمون بعنوان ''رسؔا جالندھری شاعرِ خوشنوا'' کے تحت رسؔا کے کلام پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں :

حضرتِ رسؔا کا کلام پڑھتے ہوئے بارہا محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ مرحوم گراں گوش تھے مگر ذوقِ

موسیقی ونغمہ بے حد مرفہہ اور منجھا ہوا تھا، بحور کی خوش آہنگی، قوافی و ردائف کا تناسب، الفاظ و تراکیب کا خوش وضع دروبست بلا سبب نہیں، ہر آواز دلجو معلوم ہوتی ہے، وحشی سریں برآمد نہیں ہوتیں شاذ الاستعمال الفاظ سے پرہیز بالکل واضح ہے، بیان میں گنجلک نہیں، یہ بات اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک شاعر خوش ذوق اور گل ونغمہ کا مزاجاً بلبلِ وارفتہ نہ ہو۔ بالخصوص لفظوں کی تکرارِ سحر اطوار سے خوب خوب کام لیا ہے۔[۴]

رسؔا کے کلام پر پروفیسر مرزا محمد منور کا محولہ بالا فکری وفنی تجزیہ بھی رسؔا کے فن کی پختگی اور کہنہ مشقی کا بھرپور غماز ہے۔ غزل کے تخلیق کار کو اس فن میں طاق ہونے کے لیے جن فکری وفنی تقاضوں سے عہدہ برا ہونے اور اس کے ساتھ ساتھ جس لفظی، معنوی اور صوتی خوش آہنگی سے سرخرو ہونے کی ضرورت ہوتی ہے رسؔا اس سے پوری طرح کام لیتے ہیں۔ یہ وہ خوبی ہے جو رسؔا کو بہرطور بڑے شعرا کی صف میں شمار ہونے کا استحقاق فراہم کرتی ہے مگر رسؔا کی زمانے سے بے نیازی اس میں مانع آتی ہے۔ یہی بے نیازی جوان کے فقر کا جزوِ لازم ہے، اس کی بے شمار مثالیں ان کے کلام میں بھی موجود ہیں، مثلاً :

کر تو دیتی نگہ ِ ناز تلافی ِ جفا
پر مری ہمت ِ عالی کو گوارا نہ ہوا

مری آزاد مزاجی ہی خدائی ہے مجھے
گو خدا ہونے کا مجھ کو کبھی دعوا نہ ہوا

تھی ہر اک قطرہ ء دریا پہ زمانے کی نظر
وہی محفوظ رہا جو دُرِ یکتا نہ ہوا

(فکرِ رسؔا، ص۵۴)

رسؔا اپنی کوتاہ نظری اور کم کوشی کا تذکرہ یوں سرِ عام کرتے ہیں:

قابل ِ دید تھا مشاطہء ِ فطرت کا سنگار
مری تقدیر جو میں محو ِ تماشا نہ ہوا

میری ہی تنگ نگاہی نے کیا مجھ کو خراب

ورنہ وہ کون سا ذرہ تھا جو صحرا نہ ہوا
آدمی چاہے تو بندے سے خدا بن جائے
قطرہ وہ قطرہ نہیں بڑھ کے جو دریا نہ ہوا

(فکرِ رسؔا، ص۵۴)

بیسویں صدی کی ان مخصوص دہائیوں میں جب جغرافیائی، تہذیبی، لسانی اور مذہبی و اعتقادی تفرقات ہر طرف سر اٹھا رہے تھے اور حساس دل و دماغ کے حامل شعرا و ادبا نہ صرف ان حدود و قیود سے نالاں تھے بلکہ اکثر و بیشتر ان رویوں کے آلہ ء کار بھی بن گئے تھے، جو ایک بڑی حد تک ان کے لیے سوہانِ روح ہوتے ہوئے اپنے دوررس اثرات کے ساتھ ادب میں بھی کچھ اس طرح در آئے تھے کہ ان سے چھٹکارہ آسان نہ تھا رسؔا کے زیرِ نظر اشعار بڑے ایجاز و اختصار سے ان اختلافی رویوں کی نشان دہی کرتے ہیں:

طے جو کیں حرص و ہوا نے ارتقا کی منزلیں
یہ زمین و آسماں تقسیم ہو کر رہ گئے
کیا کہیں اک خطہ ِ پنجاب کی تقسیم سے
قلب کے کتنے جہاں تقسیم ہو کر رہ گئے
سازش ِ دیر وکلیسا کا تو کیا دیتے جواب
خود حرم کے پاسبان تقسیم ہو کر رہ گئے
ایک مرکز پر زباں کو لاتے لاتے اے رسا
آپ ہی اہل ِ زباں تقسیم ہو کر رہ گئے

(فکرِ رسؔا، ص۳۰۶)

''فکرِ رسا''میں غزل کے ساتھ ساتھ نظم کی مختلف اصناف پر بھی ایک بڑا خزانہ موجود ہے جو قصائد، مراثی، قطعات، قطعاتِ تاریخ اور قومی نظموں پر مشتمل ہے اور اپنے ادبی و فنی خصائص میں بڑی اہمیت کا حامل ہے بقول پروفیسر مرزا محمد منور ''حضرتِ رسؔا جالندھری کا کلام پھولوں کے گونا گوں تختوں کا گلزارِ پر بہار ہے اور بہار بھی وہ جو بڑی با رونق و زیبائش ہو ..... رسؔا بعالمِ عنفوانِ شباب بھی قادر الکلام تھے نہ لفظاً رکاؤ

محسوس کرتے نظر آتے ہیں اور نہ معناً‘‘(فکرِ رسؔا ،ص ۵۰۸)

رسؔا بحیثیت ایک قادر الکلام شاعر اپنے جذبات و احساسات کو ادب و فن سے ہم آہنگ کرتے ہوئے مؤثر اور خوبصورت انداز میں پیش کرنے کا پورا پورا ملکہ رکھتے ہیں ۔ارتقائی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو رسؔا کی نظمیں بھی فکری و فنی اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں مگر مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر حصۂ نظم سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف حصۂ غزل پر اکتفا کیا گیا ہے رسؔا جالندھری کی شاعری کسی مخصوص دور کے لیے نہیں، ان کے ہاں مضامین و موضوعات کی آفاقیت و ہمہ گیری انھیں ہر دور میں زندہ رکھنے پر قادر ہے چند مزید شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

اگر بڑھتی گئی یونہی جنوں کی گرم بازاری
تو اک دن نجد کے صحرا میں فرزانے بھی آئیں گے
نہ خوش ہو منزلِ ہستی کی رونق دیکھ کر ہمدم
اس آبادی سے اگے چند ویرانے بھی آئیں گے
یہ دنیا ہے رسؔا سب پر کھلے ہیں اس کے دروازے
جہاں دو اپنے ہوں گے چار بیگانے بھی آئیں گے

(فکرِ رسؔا ،ص، ۳۰۷)

فریب دے نہ سکی مجھ کو وہم کی منطق
جھٹک کے رکھ دیا دامانِ ایں و آں میں نے
ملیں انھیں سے حقیقت کی منزلیں سب کو
رہِ مجاز میں چھوڑے تھے جو نشاں میں نے
حریف لے گئے پیشانیوں میں داغِ سجود
جبیں میں جذب کیا سنگِ آستاں میں نے

(فکرِ رسؔا ،ص ۳۲۰)

مرے مکان کی حد لامکاں سے ملتی ہے
مگر یہ کہہ نہیں سکتا کہاں سے ملتی ہے
بنائے جاتے ہیں جس سے نئے نئے کعبے
نہ جانے خاک وہ کس آستاں سے ملتی ہے
رسؔا یہ پوچھ رہا ہے مرا کمال سخن
قبولِ عام کی دولت کہاں سے ملتی ہے

(فکرِ رسؔا، ص ۳۲۷)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد جہانگیر خاں، ڈاکٹر، ''تعارف''، مشمولہ ''فکرِ رسا'' از خان محمد کبیر خان رسؔا جالندھری، مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور، جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۲۴

۲۔ حکیم سید اطہر حسین اطہر لکھنوی، مضمون ''رسؔا میری نظر میں''، مشمولہ ''فکرِ رسا'' از خان محمد خان رسؔا جالندھری

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، مضمون ''ادب اور مقصدیت''، مشمولہ ''موضوعات'' از ڈاکٹر انور سدید، مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء ص ۱۴۵ ما بعد

۴۔ محمد منور مرزا، پروفیسر، مضمون ''رسؔا جالندھری شاعر خوشنوا''، مشمولہ ''فکرِ رسا'' از خان محمد خان رسؔا جالندھری

۵۔ خان محمد خان رسؔا جالندھری، فکرِ رسؔا، مکتبہ کارواں کچہری روڈ لاہور، جنوری ۱۹۸۰ء